ڈاکٹر سید معین الرحمن

منٹو کی ایک اہم نو دریافت خودنوشت سوانحی تحریر

پچھلے برس ۲۰۰۴ء میں ترقی پسند ادب کے ترجمان ''انگارے'' کے مرتب عزیز محترم ڈاکٹر سید عامر سہیل نے، منٹو کی پچاس ویں برسی کی مناسبت سے ''انگارے'' کے علاوہ ''سعادت حسن منٹو نمبر'' کے لیے مجھ سے منٹو کی کسی قلمی تحریر وغیرہ کے بارے میں استفسار کیا۔ نوادر کے میرے ذخیرے میں منٹو کی کوئی قلمی تحریر نہیں تھی۔ یہ فرمائش پوری نہ کر سکا۔ مجھے سہیل صاحب کو، ڈاکٹر علی ثنا بخاری سے متعارف کرانے کی مسرت ضرور حاصل ہوئی، جو عہد موجودہ میں منٹو کے ایک بہت سیریس اسکالر ہیں اور جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے سعادت حسن منٹو پر تحقیقی کام کر کے پی ایچ۔ڈی کی سند فضیلت پائی۔

منٹو کی کسی قلمی تحریر کے اپنے ذخیرے میں ناموجود ہونے پر بے اختیار، دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی ''کاش! کہ مجھے ان کی کوئی تحریر مل سکے۔'' اللہ کے کرم ہائے بے حساب، اور اللہ کے بندوں کی مجھ پر عنایات بے شمار کی کوئی حد ہے، نہ اور چھور کہ مجھے سال جاریہ (۲۰۰۵ء) میں منجملہ سعادت حسن منٹو، بہت سے اکابر ادب کی اہم قلمی تحریریں ملیں۔ یہاں ایسے چند منتخب اسماء کا ذکر کرتا ہوں جن کی قلمی تحریریں میرے ذخیرۂ نوادر کا تازہ اضافہ ہیں:

''سر شیخ عبدالقادر، پطرس بخاری، برجموہن دتاتریہ کیفی، صغرا بیگم ہمایوں، مولانا غلام رسول مہر، فرحت اللہ بیگ، قاضی عبدالغفار، حسن نظامی، ن۔م۔راشد، تلوک چند محروم، معین احسن جذبی، احمد فراز، محسن احسان، خاطر غزنوی، رضا ہمدانی، فارغ بخاری، شوکت

Scanned by CamScanner

داسٹلی، سید آلِ رضا، ساغر نظامی، احمد ندیم قاسمی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، مخمار بارہ بنکوی، ملا رموزی، احسان دانش، اختر انصاری (علیگ)، کوثر چاند پوری، بیگم سلمیٰ تصدق حسین، محی الدین قادری زور، جوش ملیح آبادی، میاں بشیر احمد، بیگم زاہدہ خلیق الزماں، ڈاکٹر رشید جہاں، فراق گورکھپوری، محمد حسین عرشی امرتسری، نسیم انہونوی، الیاس برنی، صفی لکھنوی، میرزا ثاقب لکھنوی، مرزا فدا علی خنجر، یاس یگانہ چنگیزی، سید حسن امام، انصار ناصری، یوسف ظفر، میکش اکبر آبادی، ارشد تھانوی، شوکت تھانوی، نواب محمد اصطفا خاں، فیاض علی (ایڈووکیٹ)، امین سلونوی، سلام مچھلی شہری، ماہر القادری، حامداللہ افسر، علی عباس حسینی، مجنوں گورکھپوری، شیر محمد اختر، نہال سیوہاروی، عباداللہ اختر، محمد منیرالدین چغتائی، رشید اختر ندوی، پروفیسر احمد علی، ایم۔ڈی تاثیر، کنہیا لال کپور، سلطان حیدر جوش، خواجہ احمد عباس، غلام عباس، شفیق الرحمٰن، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر اور سعادت حسن منٹو۔"

شعر و ادب کے ان اکابر کی اصل قلمی تحریریں میرے ذخیرہ نوادر کا قیمتی اضافہ ہیں۔ یہاں سعادت حسن منٹو کی ایک اہم خودنوشت سوانحی تحریر کا تعارف مقصود ہے جو منٹو کے احوال کے ضمن میں ایک بیش قیمت اور نَو دریافت ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ادارہ فیروز سنز (لاہور) کے ڈاکٹر عبدالوحید[1] نے اپنے معروف طباعتی و اشاعتی ادارے فیروز سنز لمیٹڈ کی جانب سے شائع ہونے والے نثر نگاروں اور شاعروں کے ایک انتخاب کے لیے متعدد صاحبِ طرز اہلِ قلم سے اپنے خیالات لکھ بھیجنے، نیز اپنی تصویر عطا کیے جانے کی تحریک کی تھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالوحید کا ایک عمومی مکتوب (تحریر ستمبر ۱۹۴۳ء) میرے پیش نظر ہے۔

Scanned by CamScanner

عبدالوحید خاں صاحب کی اس فرمائش کی تائید اور پیروی میں شوکت تھانوی نے
بھی اپنے بعض احباب کو توجہ دلائی اور انہیں تصویر نیز اپنے حالات لکھ بھیجنے پر آمادہ کیا۔
اس سلسلے کے ایک دو اصل دستخطی خط بھی میرے ذخیرے میں ہیں۔ ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء کے
شوکت تھانوی کے ایک خط کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"......... میں یہ خط لکھ کر آپ کو ایک خاص تکلیف دینا چاہتا ہوں
اور مجھے امید ہے کہ اوّل تو ادب اردو کے لیے ورنہ شوکت کے لیے
آپ یہ تکلیف ضرور گوارا کریں گے۔
قصہ دراصل یہ ہے کہ ہندوستان کا مشہور ادارہ فیروز سنز لاہور
ادبائے اردو کا ایک ایسا مبسوط اور مصوّر تذکرہ مرتب کر رہا ہے جس
میں انیسویں اور بیسویں صدی کے فاضل اور صاحبِ طرز ادیبوں
اور شاعروں کے حالات کے علاوہ ان کا نمونۂ انشا یا نمونۂ کلام بھی
پیش کیا جائے گا۔
اس سلسلے میں آپ کی ذمہ داری میں نے لی ہے کہ آپ کے
حالات، آپ کا فوٹو اور آپ کے کلامِ نظم و نثر کا نمونہ میں منگوائے
دیتا ہوں۔ میری اس ذمہ داری کی لاج رکھتے ہوئے آپ اپنی
بہترین تصویر اور اپنے حالات جن میں سنہ ولادت، مولد، وطن،
تعلیم، موجودہ شغل اور اپنی تصانیف کا حوالہ ضرور ہو بہ واپسی بھیج
دیجیے..............

[نیاز کیش شوکت تھانوی، ۱۵-نومبر، ۱۹۴۳ء]

منٹو نے "سعادت حسن منٹو" کے عنوان سے اپنے مختصر سوانح ڈاکٹر عبدالوحید کو
لکھ بھیجے۔ حالات کے اختتام پر وحید صاحب کے نام منٹو کا چند سطری خط بھی ہے۔ میرے
علم اور نظر کی حد تک یہ خود نوشت حالات، ادارہ فیروز سنز لاہور سے چھپنے والے کسی

انتخاب یا تذکرے میں جگہ نہیں پا سکے۔

اپنے سوانحی حالات کے لیے منٹو نے ۶ × ۱۰/۱۹ انچ سائز کی دو سلپس (Slips) استعمال کی ہیں۔ پہلی سلپ کے دونوں اطراف لکھا گیا ہے۔ دوسری سلپ کا صرف ایک حصہ استعمال میں آیا ہے۔ پشت کا صفحہ (حصہ) خالی ہے۔ منٹو کی اس قلمی تحریر پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن اسے عبدالوحید صاحب کے عمومی مکتوب (تحریر ستمبر ۱۹۴۳ء) اور شوکت تھانوی کے متذکرہ بالا خط مورخہ ۱۴-نومبر ۱۹۴۳ء کی روشنی میں سال ۱۹۴۳ء کے اواخر کی تحریر خیال کرنا چاہیے۔

اس قیاس کی تائید میں ایک داخلی شہادت منٹو کی اس سوانحی تحریر سے بھی ملتی ہے اس میں منٹو نے اپنا سال ولادت ۱۹۱۲ء بتایا ہے اور لکھا ہے کہ "........... میں نے تا حال اپنی زندگی کی اکتیس بہاریں دیکھی ہیں ---" اس سے بھی منٹو کی اس تحریر کا سال ۱۹۴۳ء ہی ہاتھ آتا ہے۔

سعادت حسن منٹو کی یہ نادر قلمی نگارش، ڈاکٹر عبدالوحید کی مرتب کردہ کسی کتاب، یا انتخاب، یا تذکرے کا حصہ نہیں بن پائی اور منٹو کی پچاسویں برسی کے سال اور لکھے جانے کے باسٹھ (۶۲) سال بعد اب پہلی بار ڈاکٹر رشید امجد کی قدردانی کے طفیل "دریافت" کے ذریعے منظر عام پر آ رہی ہے۔

سعادت حسن منٹو کی یہ نادر قلمی نگارش (متعدد دوسری یادگار تحریروں کے بشمول) مجھے حضرت امیر مینائی کے معروف علمی خانوادے میں ان کے عزیزوں کے ہاں سے ملی۔ ذیل میں اس خودنوشت سوانح کا متن اور مابعد اس تحریر کی عکسی نقل محفوظ کی جاتی ہے:

سوانح حیات : سعادت حسن منٹو

دوستو۔ تم یہ سن کر شاید حیران ہو گے کہ میں نے تا حال اپنی زندگی میں اکتیس بہاریں دیکھی ہیں۔ میری پیدائش، پنجاب کے تجارتی مرکز امرتسر میں ۱۱-مئی ۱۹۱۲ء کو ہوئی۔

Scanned by CamScanner

کھاتے پیتے گھر میں بچوں کی تربیت بہت خوب ہو جاتی ہے لیکن میں اپنے گھریلو معاملات کی پیچیدگیوں میں کچھ اس (بری) طرح سے گھرا ہوا تھا کہ امرتسر میں بمشکل انٹرنس کا امتحان پاس کر سکا۔

میرا ابتدائی دور اگرچہ خوش اثر تھا لیکن قبلہ ام والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد خاندانی حالات کے مدِ نظر چند دشواریاں آ گئیں جن سے بخوبی عہدہ برآ ہونا مجھ ایسے صغر سن کے لیے حد سے زیادہ مشکل تھا۔ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ طبیعت میں آوارگی کی نمود ہو چکی تھی لیکن سایۂ پدری کا سر سے اٹھ جانا مجھے اپنی حیثیت جانچنے کا داعی ہوا۔

والدہ محترمہ سے اجازت حاصل کرے (کر کے) اکنافِ کشمیر میں بغرضِ بحالیٔ صحت گیا۔ بہوت میں کچھ مدت قیام کیا۔ طبیعت میں رنگینیوں نے جھلک دکھائی۔ دل کو مضبوط کیا کہ کسی قیمت پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دنیا اور دنیا والوں کو اپنی طرف جھکاؤں گا۔

گھر لوٹا تو والدہ ماجدہ سے حصول تعلیم کا ارادہ بیان کیا۔ چنانچہ علی گڑھ میں بغرضِ استفادہ بھیجا گیا۔ چند بچپن کی آزادیٔ طبع، کچھ آب و ہوا کی ناموافقت نے بسترِ علالت پر لٹا دیا۔ چار و ناچار تعلیم پانے سے اجتناب کیا۔

امرتسر واپس آنے پر کتاب بینی کا شوق بدستور بڑھتا گیا۔ چنانچہ یہ بات کہہ دینے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ میں نے روسی ادب میں زیادہ دل چسپی لینا شروع کر دی۔

اسی اثنا میں مجھے اکثر اردو اخبارات میں خدمتِ زبان، سرانجام دینے کا اتفاق ہوا۔ بسااوقات میرے مضامین کو سراہا گیا بلکہ بعض احباب (نے) میری حوصلہ بندی کے لیے تعریفی جملے بھی کہے جن سے میری خواہشِ انشاء پردازی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

میں آج ان مضامین کو نیم جان محسوس کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ صاحب نظر احباب نے میری حوصلہ افزائی کے لیے میرے مضامین کو سراہا .... مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں اپنی تحاریر کے ساتھ کسی دوسرے شغل سے بھی مطمئن نہیں اور اگر اسے مبالغے پر محمول نہ کیا جائے تو آج بھی میں اپنی کسی کوشش پر مطمئن نہیں ہوں۔ بقول ئے ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

اس میں کوئی کلام نہیں کہ میں نے ہر اس پرزۂ کاغذ تک سے فائدہ اٹھایا جس میں کسی بنیے نے بیکار دیکھ کر سودا باندھ کر مجھے دیا۔

میں نے (مجھے) مغربی اور مشرقی ادیبوں کی سینکڑوں کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا لیکن

Scanned by CamScanner

کوئی ایسی کتاب دستیاب نہ ہو سکی جس سے میرے تشنہ مذاق کو طمانیت حاصل ہوتی۔

میں نے کئی ایک کتابیں خود لکھ دیں۔ کئی افسانے، کئی ڈرامے اور متعدد مضامین ریڈیو کے ذریعے سے نشر کیے گئے۔ اصحاب اور عوام کی طرف سے مجھے پے در پے خطوط موصول ہوئے۔ میری تعریفوں کے انبار لگا دیے گئے۔ بعض عقیدت مندوں نے تو مجھے اوّل صف کے ادیبوں میں لا کھڑا کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں آج بھی اپنے دل میں اطمینان نہیں پاتا۔

میرا خیال ہے کہ جس منزل کی مجھے تلاش ہے، ہنوز میری نظروں سے اوجھل ہے۔

میں یہاں یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں نے اردو زبان سے اسکول کے زمانے میں بے اعتنائی سے کام لیا تھا۔ مجھے اس وقت اردو کی ان ہمہ گیریوں کا علم تک نہ تھا جو ایک ہی صحبت میں صاحب دلوں کو گرویدہ بنا لیتی ہیں۔

میں اردو زبان کی اس مٹھاس سے ناآشنا تھا جو ذائقے کو مدتوں اپنی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے اور میں اردو کی اس ہر دل عزیزی سے بھی کورا تھا جو (جس نے) اس ایک تھوڑی سی مدّت میں دنیا بھر میں تیسرے (نمبر) درجے کی زبان بن کر عوام کو اپنی طرف متوجہ (کر لیا) تھا۔

ان سب کمزوریوں کے باوصف میں نے اپنے مطالعے میں کوئی فروگزاشت نہ تھی (کی)۔

احباب نے مجھے بری، چھچھورا اور ضدی تک کہنے سے گریز نہ کیا لیکن میں نے اپنے مذاق کی تکمیل میں دوستوں کی سُنی، اَن سُنی کر دی اور اس وقت تک کرمکِ کتابی بنا رہا جس وقت تک اپنی ڈور (دوڑ) دھوپ پر رائے زنی کر کے ندامت کا شکار ہونے سے بچ جانے کے قابل نہ ہو سکا۔

میرے ارادوں میں یہ بات داخل ہے کہ مجھے معراجِ ترقی کی طوالت ناپنے میں اپنی ساری زندگی صرف کرنا ہوگی۔ اور تا حینِ حیات، اس کوشش میں رہنا ہوگا کہ طمانیتِ قلب کے حصول کے لیے کوئی راستہ تلاش کر سکوں۔

o

بخدمت محترمی عبدالوحید صاحب: علاوہ بر ایں معروضِ خدمت کہ فی الحال میرے پاس کوئی فوٹو موجود نہیں ہے۔ میں آج کل بمبئی کے ایک فلمی ادارے ''فلمستان'' میں معقول مشاہرے پر ملازم ہوں اگرچہ دل کو اطمینان نصیب نہیں۔

مصروفیتوں کے مدنظر جلد تر تصویر نہ بھیج سکوں گا، لہٰذا فی الحال معذرت خواہ ہوں۔

نیاز مآل

سعادت حسن منٹو

~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~

سوانح حیات
سعادت حسن منٹو

دوستو۔ تم یہ سن کر شاید حیران ہو گے کہ میں نے تا حال اپنی زندگی کے ماہ و سال میں اکتیس بہاریں دیکھی ہیں۔ میری پیدائش پنجاب کے تجارتی مرکز امرتسر میں ۱۱ مئی ۱۹۱۲ کو ہوئی۔ کھاتے پیتے گھر میں بچوں کی تربیت بہت خوب ہو جاتی ہے۔ لیکن میں اپنے گھریلو معاملات کی پیچیدگیوں میں کچھ اس طرح سے گھرا تھا کہ امرتسر میں بمشکل انٹرنس کا امتحان پاس کر سکا۔ میرا ابتدائی دور اگرچہ خوش اثر تھا لیکن قبلہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد خاندانی حالات کے مدنظر چند دشواریاں آ گئیں۔ جن سے بخوبی عہدہ برآ ہونا مجھ ایسے صغر سن کے لئے حد سے زیادہ مشکل تھا۔ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ طبیعت میں آوارگی کی نمود ہو چکی تھی لیکن سایۂ پدری کا سر سے اٹھ جانا مجھے اپنی حیثیت جانچنے کا داعی ہوا۔ والدہ محترمہ سے اجازت حاصل کر کے اکناف کشمیر میں بغرض بحالی صحت گیا۔ بٹوت میں کچھ مدت قیام کیا۔ طبیعت میں رنگینیوں نے جھلک دکھائی۔ دل کو مضبوط کیا کہ کسی قیمت پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دنیا اور دنیا والوں کی طرف جھکا ہوں گا۔

گھر لوٹا تو والدہ ماجدہ سے حصول تعلیم کا ارادہ بیان کیا۔ چنانچہ علی گڑھ میں انٹر میں داخلہ ہو گیا۔ چند ہفتوں کی آزادئ طبع کو آب و ہوا کی ناموافقت نے بستر علالت پر لٹا دیا۔ چار و ناچار تعلیم پانے سے اجتناب کیا۔ امرتسر واپس آ کر کتاب بینی کا شوق بدستور بڑھتا گیا۔ چنانچہ یہ بات کہہ دینے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ میں نے روسی ادب میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دی۔

اس اثنا میں مجھے اکثر اردو اخبارات میں خدمت زبان سرانجام دینے کا اتفاق ہوا۔ لہٰذا اوقات میرے مضامین کو سراہا گیا۔ بلکہ بعض احباب نے میری حوصلہ بندی کے لئے تعریفی جملے لکھے ہیں جن سے میری خواہش انشا پردازی میں معتدبہ اضافہ ہوا۔

میں آج ان مضامین کو نیم جان محسوس کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ صاحب نظر احباب نے میری حوصلہ افزائی کے لئے میرے مضامین کو سراہا ہے۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں اپنی تحاریر کے ساتھ کسی دوسرے شغل سے بھی مطمئن نہیں ہوں۔ اور اگر اسے مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو آج بھی میں

اپنی کسی کوشش پر مطمئن نہیں ہوں
بقول شاعر ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
اس میں کوئی کلام نہیں کہ میں نے ہر اس چیز سے ممکنہ حد تک
فائدہ اٹھایا جس میں کسی نئے نے بے کار دیکھ کر
سودا باندھ کر مجھے دیا۔ میں نے مغربی اور مشرقی
ادیبوں کی سینکڑوں کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا
لیکن کوئی ایک کتاب ایسی دستیاب نہ ہو سکی جس
سے میرے تشنہ مذاق کو طمانیت حاصل ہوتی
میں نے کئی ایک کتابیں خود لکھ دیں۔ کئی افسانے
کئی ڈرامے اور متعدد مضامین ریڈیو کے ذریعے
سے نشر کئے گئے۔ احباب اور عوام کی طرف
سے مجھے پے در پے خطوط موصول ہوئے۔ میری
تعریفوں کے انبار لگا دئے گئے۔ بعض عقیدت
مندوں نے تو مجھے اول صف کے ادیبوں میں لا کر
کھڑا کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں آج اپنے
اپنے دل میں اطمینان نہیں پاتا۔ میرا خیال ہے
جس منزل کی مجھے تلاش ہے ہنوز میری نظروں
سے اوجھل ہے۔ میں یہاں یہ بتانا بھول گیا ہوں
میں نے اردو زبان سے اسکول کے زمانے میں

بے ساختگی سے کام لیا تھا۔ مجھے اس وقت اردو
کی ان پیچیدگیوں کا علم تک نہ تھا جو ایک ہی صحبت
میں منتخب دلوں کو گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ میں اردو
زبان کی اس مٹھاس سے نا آشنا تھا جو ذائقہ
کو مدتوں اپنی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے۔ البتہ
میں اردو کی اس ہر دل عزیزی سے بھی کورا تھا جو
اس ایک تھوڑی سی مدت میں دنیا بھر میں
تیسرے درجے کی زبان بن کر عوام کو اپنی طرف
متوجہ کر رہا تھا۔ ان سب کمزوریوں کے باوجود
میں نے اپنے مطالعہ میں کوئی فرو گذاشت نہ کی۔
احباب نے مجھے سراہا۔ جھنجھوڑا اور ضد کی حد تک کہنے
سے گریز نہ کیا لیکن میں نے اپنے مذاق کی تکمیل
میں دوستوں کی سنی ان سنی کر دی اور اس وقت
تک کرمک کتابی بنا رہا جس وقت تک مجھے اپنی
ڈگر دھوپ پر رائے زنی کر کے ندامت کا شکار
ہونے سے بچ جانے کے قابل نہ ہو سکا۔
میرے ارادوں میں یہ بات داخل ہے
کہ مجھے معراجِ ترقی کی طوالت ناپنے میں اپنی ساری
زندگی صرف کرنا ہوگی۔ اور تاحینِ حیات اس
کوشش میں رہنا ہوگا کہ طمانیتِ قلب کے

Scanned by CamScanner

[illegible]

Scanned by CamScanner

حواشی

۱۔ پروفیسر محمد اسلم (۱۹۳۲ء - ۱۹۹۸ء) نے اپنی تالیف ''خفتگانِ خاکِ لاہور'' (مطبوعہ، ادارۂ تحقیقات پاکستان، لاہور مارچ ۱۹۹۳ء) میں ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' کے سابق مدیر ڈاکٹرعبدالوحید مرحوم کے لوحِ مزار پر درج عبارت پیش کی ہے جو ان کے بارے میں ضروری کوائف تک رسائی کا موجب بنتی ہے۔ کتبے کے مطابق: ''آخری آرام گاہ ڈاکٹر عبدالوحید خلف الصدق الحاج مولوی فیروزالدین، بانی و چیئرمین فیروز سنز لیبارٹریز لمیٹڈ، سابق چیئرمین فیروز سنز لمیٹڈ، ٹرسٹی فیروز سنز ٹرسٹ و بانی فاطمہ میموریل ہسپتال، لاہور۔ تاریخ وصال ۹-اگست ۱۹۸۵ء بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۲۲-ذوالقعدہ ۱۴۰۵ ہجری''۔

۲۔ دیکھیے ہفتہ روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، یکم تا ۷ مارچ، ۲۰۰۲ء، ص ۱

Scanned by CamScanner